سوئے اسلام جو ہم بادلِ دیوانہ چلے

ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس ہنگری

ڈاکٹر علی سلمان - فرانس

الحاج ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس ہنگری کے مستشرق اور علم و ادب میں بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں، وہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان برصغیر ہندوپاک آئے تھے کچھ عرصہ ڈاکٹر ٹیگور کے شانتی نکیتن میں شریک رہ کر جامعہ ملیہ دہلی گئے جہاں انہوں نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کئی زبانوں کے ماہر ہیں خصوصاً ترکی میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ مشرقی علوم کا مطالعہ اسلام کیطرف آپ کی راہنمائی کا سبب ہوا تھا۔ (ادارہ)

میں اپنے عنفوانِ شباب کے زمانے میں برسات کی خوشگوار سہ پہر کو ایک مصور رسالہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے صفحات پر عصر حاضر کے مباحث کے ساتھ ساتھ دلچسپ افسانے اور دور دراز ملکوں کے حالات چھپے ہوتے تھے۔ میں رسالے کے ورق الٹ پلٹ رہا تھا کہ نگاہ ایک تصویر پر اٹکی۔ یہ تصویر کچھ چھت دار مکانوں کی تھی، جا بجا کچھ گنبد اور مینار آسمان کیطرف بلند ہو رہے تھے۔ اور بہت سے آدمی زرق برق لباس پہنے سیدھی صفوں میں دو زانوں بیٹھے ہوئے تھے۔

تصویر کا منظر ہمارے مغربی مناظر سے بالکل مختلف تھا۔ اس لئے میری توجہ اس میں جذب ہو کر رہ گئی۔ ایک نامعلوم سی بےچینی پیدا ہوئی کہ اس تصویر کا مفہوم پیش کیا جائے۔

میں نے ترکی پڑھنا شروع کی مجھے بہت جلد یہ معلوم ہو گیا کہ ترکی ادب میں اس کے اپنے الفاظ بہت کم ہیں۔ اس کی نثر میں فارسی اور نظم میں عربی عنصر غالب ہے۔ اب میں نے ترکی کیساتھ عربی اور فارسی کی تحصیل بھی شروع کر دی۔ میرے سامنے یہ مقصد تھا کہ ان زبانوں کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اس روحانی دنیا میں داخل ہونے کے قابل بنا سکوں جسکی تابناکیوں نے انسانیت کو جگمگا

دیا ہے۔

خوش قسمتی سے ایک مرتبہ موسم گرما کی تعطیلات میں مجھے بوسینیا کے سفر کا اتفاق ہوا۔ یہ ایشیائی ملکوں میں ہمارا سب سے قریبی ملک ہے۔ وہاں میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور جیتے جاگتے، چلتے پھرتے مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے لگا۔

رات کا وقت تھا، مدھم برقی روشنی سڑکوں پر پڑ رہی تھی میں ایک کم حیثیت کیفے میں داخل ہوا اندر معمولی اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے دو بوسینی قہوے کا لطف اٹھا رہے تھے۔ وہ ترکوں کے روائتی گھیر دار پائجامے پہنے ہوئے تھے۔ بوکر یہ سے پیٹیوں کے ذریعہ بندھے ہوئے تھے، ہر ایک کی پیٹی میں ایک خنجر لٹکا ہوا تھا۔ پوشاک اور وضع قطع سے وہ فوجی معلوم ہوتے تھے۔ میں دھڑکتے دل کیساتھ ان سے کچھ دوری پر ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔

دونوں نے میری طرف متجسس نگاہوں سے دیکھا۔ میری رگوں میں خون منجمد ہو کر رہ گیا اور تمام قصے ذہن میں تازہ ہو گئے جو میں کتابوں میں مسلمانوں کے متعصبانہ تشدد اور عدم رواداری کی بابت پڑھ چکا تھا وہ دونوں آپس میں کچھ سرگوشی کر رہے تھے۔ اور جہاں تک میں سمجھ سکا موضوع سخن کیفے میں اس وقت میری غیر متوقع موجودگی تھی۔ مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ اس خطرناک ماحول سے میں نے نکل جانے کا ارادہ کیا لیکن مجھ میں اٹھنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔

میں اس پریشانی میں مبتلا تھا کہ ہوٹل کے ملازم نے خوشبودار قہوے کی ایک پیالی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور ان خوفناک آدمیوں کیطرف اشارہ کیا کہ یہ انہوں نے بھیجی ہے۔ میں نے ان آدمیوں پر گہری نظر ڈالی اس پر ان میں سے ایک نے متبسم چہرے کیساتھ نرم اور شیریں آواز میں مجھے سلام کیا۔ میں نے بادل نخواستہ مصنوعی مسکراہٹ کیساتھ سلام کا جواب دیا۔ میرے دونوں مفروضہ دشمن اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئے۔ مجھ کو یقین ہو گیا کہ وہ کم از کم مجھے کیفے سے نکال باہر کریں گے۔ لیکن انہوں نے پہلے سے کہیں زیادہ شیریں لہجہ میں سلام کیا اور میری چھوٹی میز کے سامنے بیٹھ گئے۔ ایک نے تپاک کیساتھ سگار پیش کیا۔ ان کے شریفانہ برتاؤ سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ اس فوجی لباس کے اندر خلیق اور متواضع روح پوشیدہ ہے۔

انہوں نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ میں قدیم ترکی زبان میں ان کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔ یہ بات چیت بڑے کام کی ثابت ہوئی۔ انہوں نے بڑے خلوص کیساتھ مجھے اپنے یہاں مدعو کیا۔ مسلمانوں سے ذاتی طور پر یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

دن، مہینے، برس گوناگوں واقعات و حادثات اپنے دامن میں لیکر آتے اور گذرتے رہے، علم کا ہر مسئلہ اور زمانے کا ہر واقعہ مجھے ایک نئے تجربے سے دوچار کرتا رہا، میں نے یورپ کے تمام ملکوں کی سیاحت کی قسطنطنیہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ایشیائے کوچک اور شام کی تاریخی یادگاروں اور قدرتی مناظر کی رعنائیوں کا مشاہدہ کیا اور عربی فارسی اور ترکی میں فارغ التحصیل ہوکر یونیورسٹی بوڈاپسٹ میں شعبہ اسلامیات کا صدر مقرر ہوگیا

میں نے علم کے خشک و تر ذخیرے کا بڑا حصہ حاصل کرلیا جو صدیوں سے جمع ہوتا چلا آرہا تھا۔ ہزاروں کتابوں کی ورق گردانی کر ڈالی لیکن کتابی معلومات کا یہ سرمایہ میرے قلب کی تسکین کا سامان نہ کرسکا۔ دماغ سیراب تھا، لیکن روح تشنہ تھی۔ میری دلی تمنا تھی کہ جو کچھ میں نے اب تک پڑھا ہے اسے یکسر فراموش کرکے دل کی داخلی کیفیت میں کھو جاؤں۔ میری روح مقدس مذہب کے سدا بہار چمن سے مشک بیز ہونا چاہتی تھی، میں چاہتا تھا کہ لوہار جس طرح کچے لوہے کو آگ میں تپا کر اسے فولاد کی شکل دیدیتا ہے۔ اسی طرح میرا علم روحانیت کے سوز سے زیادہ کارآمد اور بیش بہا بن جائے ——

ایک رات میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ کی ریش مبارک حنا شدہ تھی (حضور علیہ السلام کی ریش مبارک کا قدرتی رنگ حنا شدہ بالوں کیطرح تھا۔) لباس سادہ اور پاکیزہ تھا اور اس میں سے ایک عجیب روح پرور خوشبو نکل رہی تھی۔ آپؐ نے نہایت دل پذیر لہجہ میں فرمایا:

"تم اتنے پریشان کیوں ہو۔؟ سیدھا راستہ تمہارے سامنے کھلا ہے۔ یقین اور ایمان کی قوت سے اس پر گامزن ہو جاؤ۔"

میں نے ہمت کرکے عرض کیا۔ "آپؐ جیسی عظیم ہستی کیلئے یہ بات بہت آسان تھی جسے خداوند تعالیٰ نے مافوق الفطرت طاقت عطا کی تھی جس نے منصب نبوت پر فائز ہوکر تائید غیبی سے اپنے دشمنوں پر فتح کامل حاصل کی اور جسکی مساعی پر خدا نے عظمت و جلال کا تاج رکھ دیا۔"

آپ نے ذرا تیز نگاہ سے میری طرف دیکھا۔ پھر کچھ تامل کے بعد ارشاد فرمایا۔ آپ کی عربی کچھ اسطرح فصیح اور پرشکوہ تھی کہ اس کا ہر لفظ خوشگوار بانگ درا کی مانند میرے کانوں میں پڑ رہا تھا۔ کلام الٰہی جو آپ کی پیغمبرانہ زبان سے ادا ہو رہا تھا۔ وہ میرے سینے پر ایک بھاری بوجھ ڈالے دیتا ہے۔

الم نجعل الارض مهدا والجبال
اوتادا وخلقناكم ازواجا وجعلنا
نومكم سباتا۔

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں
بنایا اور تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور ہم ہی نے
تمہارے سونے کی چیز کو راحت بنایا۔

اس کے بعد اچانک میری آنکھ کھل گئی میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ اب مجھے نیند نہیں آسکتی۔ میں اس راز کو نہیں سمجھ سکتا جوان پردوں میں پنہاں ہے۔ میرے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا، حضرت پیغمبر اسلام کی خشمگیں نگاہ سے میرے دل میں دہشت پیدا ہوگئی۔ پھر ایسا محسوس ہوا کہ مجھ پر گہری نیند طاری ہوگئی ہے۔ میں اچانک جاگ اٹھا رگوں میں دوران خون تیز ہوگیا تھا۔ سارا جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا جوڑ جوڑ میں درد تھا۔ زبان گنگ ہو رہی تھی بے حد اضمحلال اور تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔

دوسرے جمعہ کو جامع مسجد دہلی میں ایک دوسرا منظر آنکھوں کے سامنے تھا، بھورے بالوں اور زرد چہرے کا ایک اجنبی چند محترم ہستیوں کیساتھ مجمع میں سے اپنا راستہ بناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں ہندوستانی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ سر پہ رامپوری ٹوپی تھی، سینے پہ سابق سلاطین ترکی کے عطاکردہ نشانات امتیاز آویزاں تھے۔ ایک مختصر سی جماعت مجھے لئے سیدھے منبر کے سامنے پہنچی یہاں علماء اور بزرگان ملت بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے "السلام علیکم" کہہ کر استقبال کیا۔ میں منبر کے قریب بیٹھ گیا۔ میری آنکھیں بلاارادہ تھوڑی دیر کے لئے اٹھ کر مسجد کی تعمیری صنعتکاری اور محراب و در کی زیب و زینت کیطرف جم گئیں۔ درمیان کی بلند محراب پر شہد کی مکھیوں نے چھتے لگا رکھے تھے جن کے گرد وہ مجمع سے بے خبر چکر لگا رہی تھیں۔

یکایک اذان کی صدا بلند ہوئی جسے دوسرے مکبروں نے جو دوسرے مناسب مقامات پر استادہ تھے، اپنی صداؤں سے مسجد کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ اس الہٰی حکم پر تقریباً چار ہزار مسلمان سپاہیوں کیطرح اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے پیچھے قریب قریب صفیں جماکر بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی، یہ بڑا پرکیف اور حسین نظارہ تھا۔ نماز پڑھنے والوں میں ایک میں تھا۔

خطبہ ختم ہونے کے بعد عبدالحی ہاتھ پکڑکر مجھے منبر کے قریب لے گئے زینے پر میرے قدم رکھتے ہی مجمع میں ایک حرکت پیدا ہوئی، پگڑیوں سے آراستہ ہزاروں سر لہلہاتے چمن زار کیطرح جنبش میں آگئے۔ سفید ریش علماء نے میرے گرد حلقہ سا بنا لیا ان کی پرشوق نگاہیں اور شگفتہ نورانی چہرے ہر ساعت میری ہمت بڑھا رہے تھے، میرے اندر جرأت و امنگ پیدا ہوگئی تھی۔ کسی جھجک کے بغیر میں نے منبر کے ساتویں زینے پر قدم رکھا۔

میں نے اچٹتی نگاہ سے مجمع کا جائزہ لیا جو مسجد کے آخری سرے تک بحر مواج کیطرح نظر آتا

تھا۔ پچھلی صفوں کے لوگ گردن اٹھا اٹھا کر مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔ جیسے انسانوں کے اس سمندر میں ہلکا سا طلاطم برپا ہوگیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر بعض لوگوں کے منہ سے بے ساختہ ماشاء اللہ نکل گیا میں نے اپنی تقریر عربی میں ان الفاظ سے شروع کی:

"ایہاالسادات الکریم! میں ایک دور دراز ملک سے سفر کرکے آیا ہوں۔ اس علم کو حاصل کرنے کے لئے جو مجھے میرے وطن میں حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ میں آپ کے پاس روحانی فیضان حاصل کرنے آیا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اس سے مستفید فرمایا۔ اس کے بعد میں تقریر کے اصل موضوع کیطرف آیا۔۔۔

میں نے کہا:۔

"مسلمانوں میں یہ بات عام ہے کہ بس خدا ہی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے، ہمارے چاہنے سے اور کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ ہم نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی جس نے خود اپنی حالت کے بدلنے کی کوشش نہیں کی"

میں نے آیت کی تفسیر کرکے اس کا مفہوم و منشاء بیان کیا۔ اور تقویٰ کی زندگی اور گناہ وطغیان کے خلاف جہاد کرنے پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ تقریر کے دوران میں "اللہ اکبر" کے وجد آفرین نعروں سے فضا بار بار گونج اٹھتی تھی۔ بیان ختم کرکے میں وہیں منبر پہ بیٹھ گیا۔ میرے دل میں جذبات کا طوفان اس طرح موجزن تھا کہ اس وقت کی کوئی اور بات سوائے اس کے یاد نہیں رہی کہ اسلم نے ہاتھ کے سہارے مجھے منبر سے نیچے اتارا اور مسجد سے باہر لے چلے۔

میں نے پوچھا کہ آخر اتنی جلدی کیوں ہے۔؟ لیکن ذرا ہی دیر میں اس کا سبب معلوم ہوگیا باہر بے شمار لوگ بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے بڑی گرمجوشی کیساتھ مجھ سے مصافحہ اور معانقہ کیا۔ ناتواں اور عمر رسیدہ لوگ جو مجھ تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ بڑی محبت کی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ہر شخص اپنے لئے دعا کا خواستگار اور میرے ہاتھوں اور پیشانی کو بوسہ دینے کے لئے بیقرار ہو رہا تھا۔ میں نے پوری قوت سے گھٹتی ہوئی آواز میں کہا:

اے اللہ کے نیک بندو! آپ مجھے اپنے اوپر اتنی ترجیح کیوں دے رہے ہیں۔ بیشمار حشرات الارض میں میرا بھی شمار ہے۔ میری مثال اس ایک پتنگے کی سی ہے جو روشنی کیطرف بڑھ رہا ہے۔